ماہنامہ
بقیع
کراچی
MARCH 2004
مفت سلسلہ اشاعت 130
حقیقت تقویٰ
علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب
جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان
نور مسجد کاغذی بازار میٹھادر کراچی

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ

مفت سلسلہ اشاعت نمبر ١٣٠

نام کتاب	حقیقت تقویٰ
مصنف	مفکر اسلام حضرت مولانا سید ریاض حسین شاہ مدظلہ العالی
تعداد	٤٠٠٠
ضخامت	٥٢
سن اشاعت	مارچ ٢٠٠٥ء

مفت ملنے کا پتہ

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان

مرکزی دفتر: نور مسجد کاغذی بازار میٹھادر کراچی، فون: 2439799

بنیادی عقیدہ

☆ اللہ ہمارا رب ہے اور منزہ عن العیوب ہے۔

☆ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رسول اور معصوم عن الخطاء ہیں۔

☆ قرآن مجید خدا کی کتاب، ہمارا ضابطہ حیات اور بے عیب کلام ہے۔

انسان خطاؤں اور لغزشوں کا پتلا ہے اس حیثیت سے بہر حال یہ امکان رہتا ہے کہ وہ لکھتے ہوئے پھسل جائے۔ دورانِ مطالعہ اگر آپ اشارۃً یا صراحۃً کسی بھی انداز میں ہمارے درج بالا بنیادی عقیدہ کو مجروح ہوتا ہوا پائیں، تو اس کو ہماری ذاتی کمزوری تصور کرتے ہوئے قلم زد کر دیجئے ہم اپنی عزتِ مقام اور جھوٹی انا کے مقابلہ میں ایمان کو بہرصورت ترجیح دیتے ہیں۔

مصنف

تعارفی کلمات

[مولانا محمد مختار اشرفی، رکن شوریٰ جمعیت اشاعت اہلسنّت]

"کون نہیں جانتا کہ انفرادی زندگی کے اثرات، اجتماعی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔ تقویٰ جس کا تعلق اگرچہ مجموعی طور پر فرد ہی سے ہے لیکن اجتماعی اصلاح بھی اسی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے جب کہ اسلامی معاشرے سے متعلق ہر شخص متقی ہو۔"

یہ ایسے کلمات ہیں جو اسلامی معاشرے کے انفرادی، اجتماعی اصلاح کا تقاضا کرتے ہیں جو کہ فی زمانہ بہت اہمیت کی حامل ہے۔ الا ماشاء اللہ معاشرے میں ہر فرد بے چینی و بے سکونی کا شکار ہے۔ غیبت، بدکاری، وعدہ خلافی، غیر اقوام کی تقلید، سودی کاموں کی طرف لگاؤ، سچائی کا فقدان اور ان جیسی اَن گنت بُرائیاں نئی نئی صورتوں میں جنم لے رہی ہیں۔

الحمد للہ جمعیت اشاعت اہل سنت نے ہر محاذ پر اصلاح کی کوشش کی، زیر نظر رسالہ بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کے مصنف شیخ الحدیث والتفسیر مولانا سید ریاض حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی ہیں۔ آپ ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں، جماعت اہل سنت کے ناظم اعلیٰ بھی ہیں۔ درسِ قرآن دینے میں آپ کا ثانی نہیں، ساتھ ہی ساتھ دورۂ حدیث کی تمام کتب پڑھانے کے بھی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی تصنیف، تفسیر سورۂ یوسف و سورۂ یٰسین منظر عام پر آچکی ہیں اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر کئی کتب دستیاب ہیں، موضوعات کے تحت قرآن و حدیث و کتب آئمہ و اسلاف سے استدلال کرنے میں کمال درجہ کی مہارت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کے علم و عمل میں برکتیں عطا فرمائے اور ادارہ کی اس سعی کو قبول فرمائے اور نافع ہر خاص و عام بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

احقر

محمد مختار اشرفی

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اول

تقویٰ کا معنی اور مفہوم

تقویٰ کیا ہے؟

تقویٰ انسانی زندگی کی وہ صفت ہے جو تمام انبیاء کی تعلیم کا نچوڑ رہی۔ اس کا لغوی معنی تو کسی شئے سے دور رہنے، اس سے بچنے یا اسے چھوڑنے ہی کے ہوتے ہیں۔ لیکن شریعت اسلام میں تقویٰ نہایت وسیع معنی رکھتا ہے مختصر طور پر تقویٰ کی تعریف کے سلسلہ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ دل کی اس حالت کا نام ہے جس کی موجودگی میں انسان ہر اس فعل سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جو اللہ پاک کو ناپسند ہو۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ[1] کے تحت جس طرح نیت ہر عمل کی جان ہوتی ہے اسی طرح تقویٰ میں بھی اسے بڑا دخل ہے۔ اگر ارتکاب گناہ اور خدا کی نافرمانی سے صرف اس لئے بچا جائے کہ خدا ناراض ہوگا یا رحمت الٰہی سے محرومی ہوگی تو تقویٰ کی حقیقت حاصل ہوتی ہے ورنہ اگر خیالِ رسوائی یا بدنامی کا ڈر ہو یا کوئی عمل دکھلاوے کے لئے کیا جائے تو تقویٰ نہیں ہوگا۔

قرآن وحدیث میں لفظ ''تقویٰ'' مختلف صورتوں میں بے شمار مقامات پر استعمال کیا گیا ہے مختلف استعمالات کے پیش نظر اس کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے،

''تقویٰ رذائل سے بچنے اور فضائل سے آراستہ ہونے کا نام ہے۔''

نصر آبادی فرمایا کرتے تھے کہ ''تقویٰ یہ ہے کہ انسان اللہ کے سوا ہر چیز سے بچے''

طلق ابن حبیب کا قول ہے کہ ''اللہ کے عذاب سے ڈر کر اس کے نور کے مطابق اطاعت خداوندی یعنی اس کے احکام پر عمل کرنے کا نام تقویٰ ہے۔'' (رسالہ قشیریہ)

[1] یعنی، اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، جامع ترمذی اور مسند احمد میں روایت کی گئی ہے۔

حضرت جمشید نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ''زندگی اطاعت مصطفیٰ ﷺ میں گزارنا تقویٰ ہے۔''

حضرت عمر فاروق ؓ نے حضرت کعب الاحبار ؓ سے تقویٰ کی تعریف پوچھی تو حضرت کعب ؓ نے حضرت عمر ؓ سے سوال کیا، ''کیا آپ کبھی خاردار راستہ پر چلے ہیں؟'' آپ نے جواب دیا، ''ہاں''، پھر پوچھا کہ، ''آپ نے کیا طریقہ استعمال کیا؟'' حضرت عمر ؓ فرمانے لگے، ''میں کانٹوں سے بچ بچ کر اور کپڑوں کو سمیٹ کر چلا''۔ حضرت کعب ؓ بولے، ''یہی تقویٰ ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی مثال خاردار راستے کی ہے۔ مومن کا کام یہ ہے کہ اس میں گزرتے ہوئے دامن سمیٹ کر چلے اس کی کامیابی اسی میں ہے کہ ہر کام میں دیکھے کہ اس میں خدا کی خوشنودی مضمر ہے یا نہیں۔

ابوعبداللہ رودباری فرمایا کرتے تھے کہ ''تقویٰ یہ ہے کہ ان تمام چیزوں سے اجتناب کیا جائے جو اللہ سے دور رکھنے والی ہوں''۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ''اپنے تقویٰ سے بچنے کا نام تقویٰ ہے''۔

متقی آدمی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ریا سے بچے اس لئے کہ یہ اعمال کو اس طرح کھاتی ہے جس طرح دیمک لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ کے علاقہ میں ایک بار قحط پڑ گیا۔ لوگ آپ کے پاس دعا کروانے کے لئے آئے آپ فرمانے لگے، بارش اس لئے نہیں ہوتی کہ گناہ گار زیادہ ہوگئے ہیں اور سب سے بڑا گناہ گار میں ہوں، اگر مجھے شہر سے باہر نکال دیا جائے تو بارانِ رحمت برسنے لگ جائے گی۔

اللہ ان لوگوں پر رحمتیں برسائے عظیم ہوتے ہوئے بھی ان کے ہاں دعویٰ نہیں تھا اور اسی کا نام تقویٰ ہے۔

فروتنی است دلیل رسیدگانِ کمال
کہ چوں سوار بمنزل رسد پیادہ شود

یعنی، اہل کمال کی نشانی عاجزی اور انکساری ہوتی ہے آپ نے دیکھا نہیں کہ سوار جب منزل مقصود پر پہنچتا ہے تو پیادہ ہو جاتا ہے۔

تقویٰ کے مدارج:

پہلا درجہ

التّوقی عن العذاب المخلد بالتّبری عن الشّرك (انوار التنزیل، ج۱، ص۱۶)

''عذاب آخرت سے ڈر کر اپنے آپ کو شرک سے بچانا تقویٰ ہے۔''

اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات اور افعال میں یکتا جاننا تقویٰ کا پہلا درجہ ہے۔ مومن کے عرفانی مدارج کا کمال یہ ہوتا ہے کہ اس کی رگ و جان میں توحید رَچی بسی ہوتی ہے۔ وہ اللہ ہی کو معبود سمجھتا ہے، اور اسی ذات کو مقصود تصور کرتا ہے۔

گو یہ سب کو تسلیم ہے کہ معبو ہ ہے
مگر کم ہیں جو سمجھتے ہیں کہ مقصود وہی ہے

متقی شرک کو ظلم عظیم سمجھتا ہے۔ اس کی دعوت و تبلیغ کا محور اثبات توحید اور تردید شرک ہوتا ہے لیکن یاد رہے کہ توہین انبیاء اور گستاخی اولیاء توحید نہیں بلکہ جرم عظیم ہے۔ جس طرح خدا کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا کفر ہے، اسی طرح انبیاء و مرسلین کو اپنی طرح سمجھنا یا اپنے آپ کو ان کے مثل جاننا صریح کفر ہے۔ اللہ پاک ہر قسم کے شرک سے بچائے، آمین! یا رب العالمین۔

عقائد کا ٹھیک ہونا تقویٰ کی جان ہے، سورۃ بقرۃ میں متقی کی تعریف میں اس کے اعمال کے ساتھ ساتھ راسخ عقائد ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔

﴿ ٱلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِٱلْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣﴾ وَٱلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِٱلْءَا ... ةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿٤﴾ ﴾ [البقرة: ۲/۳-۴]

وہ لوگ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے سے خرچ

کرتے ہیں جو آپ پر اور آپ سے پہلے نازل ہونے والی وحی پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

دوسرا درجہ

التّجنّب عن کلّ ما یؤثم من إدرك حتی الصّغائر (انوار التنزیل، ج۱، ص۱۶)

''ہر وہ فعل جس میں گناہ کا اندیشہ ہو یہانتک کہ صغیرہ گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ کہلاتا ہے''۔

تقویٰ کے اس مرتبہ کی طرف قرآن حکیم نے اس طرح اشارہ فرمایا ہے،

﴿ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ ٱلْقُرَىٰٓ ءَامَنُوا۟ وَٱتَّقَوْا۟ ﴾ [الاعراف: ۷/۹۶]

کاش بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے۔

متقی کے لئے ان حدود کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے جو کائنات کے خالق نے متعین کی ہیں، یہ سب کچھ اسی صورت ممکن ہوتا ہے جب خوفِ الٰہی دل میں پوری طرح جاگزیں ہو اور انسان ہر وقت یہ سوچے کہ یہ دنیا اندھیر نگری نہیں، بلکہ امتحان گاہ ہے اور ایک نہ ایک دن اسے ضرور اپنے اعمال کے بارے میں جواب دہ ہونا ہے۔

تیسرا درجہ

علامہ ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بیضاوی لکھتے ہیں،

والثالثة: أن یتنزّہ عمّا یشغل سرّہ عن الحق ویتبتّل إلیه بشرا شرہ وهو التّقوی الحقیقیّ المطلوب (انوار التنزیل، ج۱، ص۱۶)

''ہر وقت اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم رکھنا اور اس سے غافل کر دینے والی اشیاء سے لاتعلق ہونا تقویٰ ہے اور تقویٰ کی یہی حالت حقیقی اور مطلوب و مقصود ہے۔''

یہاں تعلق سے مراد ہر وقت خدا کو یاد کرنا ہے، ہر فعل میں اس کی رضا دیکھنا ہے، بعض صوفیاء کا ''پاس انفاس'' کا معمول بھی تقویٰ کے اس مفہوم میں آسکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں تقویٰ کی اس حالت کو ''ماسوی اللہ بس'' سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید میں پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے،

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ ﴾

[ال عمران: ۱۰۲/۳]

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقویٰ کا حق ہے۔

انسان کو ہر وقت اس کوشش میں لگے رہنا چاہئے کہ کوئی چیز راہ دین سے غفلت کا سبب نہ بنے، شیطانی طاقتیں اس پر غالب نہ آئیں۔ نفس امارہ اسے اپنے دامن میں نہ لے لے، اور یہ سب کچھ عمل پیہم اور جہاد مسلسل سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ فکر اور جذبہ صادق اس سلسلہ میں ممد اور معاون ثابت ہوتے ہیں۔

تقویٰ کی اہمیت:

متقیانہ زندگی انسان کو نمونے کا انسان بنا دیتی ہے۔ مسلمان صرف اجتماعی زندگی ہی میں ایک ضابطے کا پابند نہیں بلکہ وہ انفرادی زندگی میں بھی ایک دستور اور قانون کے مطابق تعمیر اور تطہیر حیات کی منازل طے کرتا ہے۔ اس کا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا اور قول و فعل رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ہوتے ہیں۔

تقویٰ کا اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ نبی پاک ﷺ سے ایک بار پوچھا گیا، آل نبی کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ''متقی''۔

علاوہ ازیں اسلام کا سارا نظام عبادت یہی مقصد رکھتا ہے کہ لوگ متقی یعنی صاحب کردار بن جائیں۔

رسول کریم ﷺ اکثر اوقات ''تقویٰ'' کے لئے دعا فرماتے حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی [1]

اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ اور عفت و غنا کا سوال کرتا ہوں۔

[1] یہ حدیث صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد اور مشکوٰۃ المصابیح میں نقل ہے۔

تقویٰ کی حد:

انبیاء کرام معصوم ہستیاں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تخلیق ہی ایسے کرتا ہے کہ وہ بشری کمزوریوں سے پاک ہوتے ہیں۔ ''تقویٰ'' اگر پوری آب و تاب کے ساتھ کہیں دکھائی دے سکتا ہے تو وہ انبیاء ہی ہیں۔ اس کے علاوہ کسی شخص کی زندگی میں ''تقویٰ'' اس کاملیت کے ساتھ جوان کے ہاں ہوتا ہے نہیں پایا جاتا، یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس کی کوئی آخری حد مقرر نہیں کی، بلکہ ارشاد فرمایا،

﴿ فَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ مَا ٱسۡتَطَعۡتُمۡ ﴾ [التغابن:۱٦/٦٤]

پس ڈرو اللہ سے اپنی بساط کے مطابق۔

یعنی تقویٰ کا حق ادا کرنے میں تم کوئی کسر نہ اٹھا رکھو بلکہ ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق یہ کوشش کرے کہ اس کی زندگی احکام الٰہی کے مطابق بسر ہو۔

تقویٰ کے اثرات:

اسلامی کردار یعنی تقویٰ کے اختیار کرنے سے ایک مسلمان کی زندگی پر بے شمار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دینی اور دنیوی زندگی میں اسکی بدولت انسانی ضمیر کو سکون و چین میسر ہوتا ہے۔

قرآن کی روشنی میں تقویٰ کے اثرات پر ہم ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

تقویٰ اور انسانی عظمت کا راز:

عظمت اور بزرگی کی تلاش انسانی فطرت ہے۔ ہر شخص معاشرہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسلام کی نظر میں عظمت و شرافت اور بلندیٔ مراتب کا معیار دولت کی کثرت نہیں۔ مال و زر کا ہونا نہیں اور نہ ہی حسن و جمال کو اس میں کوئی دخل ہے بلکہ اپنی زندگی کو اللہ کی رضا کی خاطر گزارنا فضیلت کی اصل کسوٹی ہے۔

قرآن مجید اس بات کی تائید یوں کرتا ہے۔

﴿ إِنَّ أَكۡرَمَكُمۡ عِندَ ٱللَّهِ أَتۡقَىٰكُمۡ ﴾ [الحجرات:۱۳/٤۹]

اللہ کے نزدیک معزز ترین شخص وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قول سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ حقیقی شرف تقویٰ ہی میں ہے۔ آپ نے قبا کے خطبہ میں ایک بار ارشاد فرمایا،

''تقویٰ عزت دلاتا ہے اور اللہ کو خوش کرتا ہے۔''

معلوم ہوا کہ حسب ونسب کی روحانی اور مقصودی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں بلکہ یہ معاشرے کے وہ ناسور ہیں کہ جن کے چمٹنے کی وجہ سے ہماری قوم مسلم قومیت کھوتی جارہی ہے۔ نسلی اور معاشی امتیازات نے ہمارے اسلامی معاشرہ کو اندر سے کھوکھلا کردیا ہے۔ علاقائی تعصبات دل ودماغ پر پوری طرح تسلط جمارہے ہیں اور یہ سب کچھ تقویٰ کے منافی ہے۔

تقویٰ اور فلاحِ حقیقی:

انسان جب تک نظام وحی سے رہنمائی حاصل نہیں کرتا نقصان اور خسارے میں رہتا ہے۔ ہدایت کے لئے وجدان اور عقل اس کے لئے ناکافی ثابت ہوتے ہیں۔ اگر وہ اپنے خالق اور ہادی کی طرف رجوع نہ کرے تو وہ اکثر فیصلے غلط کرتا ہے۔ اس کی دماغی اور ذہنی قوتیں زندگی کی پرپیچ راہوں میں اس کی ساتھی نہیں بنتیں۔ وہ یہاں پہنچ کر بے بس ہوجاتا ہے۔ اس کی نگاہیں کسی ہادی کو تلاش کرتی ہیں۔ اگر اس بیچارگی کے عالم میں وہ فطرت کی آواز سن کر اپنے خالق مالک کے ''نظام ہدایت'' جو مختلف ادوار میں انبیاء کی وساطت سے انسانیت کی رہنمائی کرتا رہا کو پہچان لے تو فطرت اسے فلاح کا پیغام دیتی ہے۔

وہ لوگ جن کے سینے ایمان سے خالی ہیں اور ان کے اعمال قرآن وسنت کے برعکس ہیں۔ بے شک وہ انسان تو ہیں لیکن ''نظام وحی'' سے عدم تمسک کی بناء پر نقصان وخسران ان کا مقدر ہے۔

﴿ إِنَّ ٱلْإِنسَـٰنَ لَفِى خُسْرٍ ۝٢ ﴾ [العصر: ۱۰۳/۲]

بے شک انسان خسارے میں ہے۔

نقصان کے مقابلہ میں قرآن ''فلاح'' کی اصطلاح استعمال کرتا ہے اور ''فلاح'' کی شرائط میں تقویٰ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

سورۃ البقرۃ میں متقی کی چھ صفات بیان کرنے کے بعد رب ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے۔

﴿أُوْلَـٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُوْلَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ۝٥﴾

[البقرۃ: ۲/۵]

یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ کامیاب وکامران ہیں۔

تقویٰ اور سکون زندگی

کون نہیں جانتا کہ ہماری زندگی میں جتنی مشکلات ہیں۔ ''قرآن'' سے بغاوت ہی کا نتیجہ ہیں۔ اگر ہم اپنے آپ کو تربیت کے لئے قرآنی سانچوں میں ڈھالتے ہیں اس کا مطلوبہ کردار جس کو وہ ''تقویٰ'' کا نام دیتا ہے اپنے اندر پیدا کرلیتے تو یقیناً ہماری زندگی میں اس قدر بے چینیاں نہ ہوتیں بلکہ سکون وآرام سے دن گزارتے۔

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ۝٤ ﴾ [الطلاق: ۶۵/۴]

اور جو اللہ سے ڈرے وہ اس کے کام میں آسانی فرمادے گا۔

تقویٰ اور قرب الٰہی:

قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے،

﴿إِنْ أَوْلِيَآؤُهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُتَّقُونَ وَلَـٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝٣٤﴾

[الانفال: ۸/۳۴]

بلاشبہ متقی ہی اللہ کے دوست ہوتے ہیں لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

اگر صحیح معنوں میں پرہیزگاری ہمارا شعار بن جائے۔ خدا کا خوف ہمارے دلوں میں راسخ ہوجائے تو ﴿نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ ٱلْوَرِيدِ ۝١٦﴾ (یعنی، ہم شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں) کی نوید جانفزا آج بھی قرآن مجید میں سنا رہا ہے متقی ہی کے بارے میں رب

ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے،

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُتَّقِينَ ۝ ﴾ [التوبۃ: ۷/۹]

بے شک اللہ پاک متقی لوگوں ہی سے محبت کرتا ہے۔

انوارِ الٰہیہ کے مشتاق کیلئے اس سے بڑا انعام کیا ہوسکتا ہے کہ محبوب ومطلوب اپنی توجہ والتفات کے جیتنے کا نسخہ خود تجویز فرمارہا ہے۔ کیا یہی وہ مقام نہیں جس کی خاطر بدر وحنین کے معرکے وجود میں آئے۔ کربلا میں اہل بیت اطہار کا خون گرا۔ باپ نے بیٹے کی گردن پر چھری رکھی۔

اے بندگان خدا! اگر تم بھی چاہتے ہو کہ محبت الٰہی کی سوغات تمہارے حصے میں بھی آئے تو اپنے آپ میں متقی لوگوں کی صفات پیدا کیجئے۔

تقویٰ اور امتیاز:

تقویٰ اور اجتماعی اثرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ معاشرہ جو ''من حیث الجماعت'' (پوری جماعت کی حیثیت سے) اپنے آپ کو کتاب وسنت کے مطابق بنالیتا ہے۔ اقوامِ عالم میں اس کی شان نرالی اور امتیازی بن جاتی ہے۔

ارشاد رب العزت ہے،

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن تَتَّقُوا۟ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا ﴾
[الانفال: ۲۹/۸]

اے اہل ایمان! اگر تم اللہ سے ڈروگے تو وہ تمہارے لئے امتیاز قائم کردے گا۔

''امتیاز'' کی مختلف نوعیتیں ہوسکتی ہیں۔ یعنی اس سے ایک معنی تو یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ تم میں اچھی اور بُری چیز میں امتیاز کرنے کی قوت پیدا فرمادے گا یعنی بصیرت عطا کردے گا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اقوام میں تمہیں امتیازی شان عطا کردے۔

تقویٰ اور کشادئ رزق:

روٹی، کپڑے اور مکان کا مسئلہ ہر دور میں بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ قرآن اور

معاشی آسودگی بھی اپنی حدوں میں قائم رہنے ہی میں قرار دی۔ ارشاد رب العزت ہے،

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ [الطلاق: ۲/۶۵-۳]

متقی کے لئے اللہ تنگی سے نکلنے کے سامان مہیا کرتا ہے، اور اسے وہاں سے روزی دیتا ہے کہ اس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا ہے۔

اسلامی نظام کا مکمل مطالعہ کرنے سے اچھی طرح اس نتیجہ پر پہنچا جاسکتا ہے کہ اسلام کیسے معاشی خوشحالی دیتا ہے۔

اس کے برعکس ''اعراض عن القرآن[1]'' سے اقوام وملل کی معاش ومعیشت تنگ کرکے رکھ دی جاتی ہے، قرآن نے معاشی تنگی کی وجہ ہی اس نظام سے بغاوت کو قرار دیا ہے۔

﴿ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِى فَإِنَّ لَهُۥ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُۥ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ أَعْمَىٰ ۝ ﴾ [طٰہٰ: ۱۲۴/۲۰]

جس نے ہماری یاد سے غفلت برتی بے شک معیشت تنگ ہوجائے گی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

---

[1] یہ حدیث صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد اور مشکاۃ المصابیح میں نقل ہے۔

باب دوم

تشکیل تقویٰ کی بنیادیں

مضبوط ایمان:

ایمان کی مضبوطی اور استحکام تعمیر سیرت میں ہر روز نئی آن اور نئی شان پیدا کرتے ہیں اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ قرب الٰہی اور اتقاء لازم و ملزوم ہیں تو پھر یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوگی کہ قرب خداوندی کا پہلا زینہ ہی استحکام ایمان ہے۔ ایمان جتنا مضبوط ہوگا کردار اتنا ہی اعلیٰ ہوگا۔ ایمان کی کمزوری سیرت و کردار کو کمزور کرتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن جب بھی مرد مومن کو کسی عمل اور جہاد کے لئے تیار ہونے کی دعوت دی۔ ''ایمان'' کا ذکر ضرور کیا، وہ تجارت عظیم جس کو ﴿عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (یعنی، دردناک عذاب) سے چھٹکارے کا باعث قرار دیا گیا۔ اس میں بھی سب سے پہلے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول (ﷺ) کا ہی ذکر کیا گیا۔

﴿ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ﴾ [الصف: ۱۱/۶۱]

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور خدا کے راستے میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرو۔

کردار کی تعمیر:

''تقویٰ'' کا ترجمہ اگر عام فہم الفاظ میں کیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ تقویٰ ''اسلامی کردار'' کا دوسرا نام ہے۔ یاد رہے کہ تعمیر کردار کے لئے قرآن کثرت عبادت کا ایک نسخہ بھی تجویز کرتا ہے۔ مثلاً بے حیائی سے رُکنے کے لئے یا صبر کی صفت پیدا کرنے کے لئے نماز کا پڑھنا تجویز کیا گیا۔ انسانی طبائع میں رچ بس جانے والی مذموم حرکتیں کثرت زہد ہی سے عادات حسنہ سے

بدلتی ہیں۔

پروردگار عالمین ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے،

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾ ﴾ [البقرۃ: ۲/۲۱]

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا فرمایا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

رمضان المبارک کے روزوں کا فلسفہ بھی یہی بیان فرمایا،

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٨٣﴾ ﴾ [البقرۃ: ۲/۱۸۳]

اے اہل ایمان! تم پر پہلے لوگوں کی طرح روزے فرض کردیے گئے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

تلاش مرشد:

ایمان کی حرارت، محبت کی گرمی اور عشق کی تپش شیخ کامل کی وجہ ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ قرآن حکیم بھی تعمیر سیرت، پختگیٔ کردار، تشکیل تقویٰ اور آنکھوں سے غفلت کی پٹیاں دور کرنے کے لئے ''وسیلہ'' ضروری قرار دیتا ہے۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣٥﴾ ﴾ [المائدہ: ۵/۳۵]

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمہاری فلاح ہو۔

آیت میں وسیلہ سے مراد جہاں کتاب و سنت ہے وہاں پیر و مرشد کی توجہ اس کی تلاش اور بیعت ہے شاہ ولی اللہ اور مولوی اسماعیل دہلوی نے اس سے یہی مراد لی ہے۔

(قول جمیل، صراط مستقیم بحوالہ ضیاء القرآن)

ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمۃ شیخ کامل کی توجہ کے اثرات ایک جگہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

دم عارف نسیم صبح دم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

غور وفکر:

تقویٰ اسلام کی روح ہے اور اسلام دین فطرت ہے۔ اس کی حقانیت لامحالہ ہر اس ذہن کو تسلیم کرنی پڑتی ہے جو تعصب کی پٹی اتار کر صحیح خطوط پر غور وفکر کرے۔ قرآن جو ایک الہامی کتاب ہے وہ صرف اپنے قاری کو تلاوت ہی کی دعوت نہیں دیتی بلکہ فکر اور تدبر کرنے کی تعلیم بھی دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غور وفکر سے انسانی ضمیر زندہ ہوتا ہے اور حقائق کو تسلیم کرنا سیکھتا ہے جب قلب وجگر اور دل ودماغ کسی بات کو تسلیم کر لیتے ہیں تو اس کے تقاضے پورے کرنے پھر مشکل نہیں رہتے۔

تقویٰ چونکہ اسلام کا تقاضا ہے اس لئے اس کی تشکیل بھی غور وفکر کی مرہونِ منت ہے۔

قرآن کی دعوتِ فکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱) کتاب
۲) انفس
۳) آفاق

قرآن سے استدلال:

۱) ﴿ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا ﴾ [الاسراء: ۴۱/۱۷]
بلاشبہ ہم نے قرآن میں طرح طرح سے سمجھایا تاکہ نصیحت حاصل کریں۔

۲) ﴿ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ لَّكُم مِّنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ﴿١٠﴾ يُنبِتُ لَكُم بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١١﴾ ﴾ [النحل: ۱۶/ ۱۰-۱۱]
وہ ذات جس نے تمہارے لئے آسمان سے پینے کے لئے پانی اتارا تم اس سے (اُگنے والے) درختوں سے چراتے بھی ہو (وہ ذات) جو تمہارے لئے اس سے کھیتی اُگاتا ہے زیتون، کھجور، انگور اور ہر قسم کے پھل، بلاشک اس میں فکر کرنے والی قوم کیلئے نشانی ہے۔

۳) ﴿ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ [الیونس: ۱۰/ ۳۱]
ان سے پوچھو تمہیں زمین اور آسمان سے رزق کون دیتا ہے۔ سماعت اور بصارت کی قوتوں کا مالک کون ہے۔ بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو کون نکالتا ہے۔ اس نظام کائنات کی تدبیر کون کر رہا ہے، وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ، پس کہو تم کیوں تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔

۴) سورۂ غاشیہ میں ایک مقام پر غور وفکر کی دعوت اس انداز میں دی گئی۔
﴿ أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾ ﴾ [الغاشیہ: ۸۸/ ۱۷-۲۰]
کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کیونکر پیدا ہوئے اور آسمان کو کہ کیسے بلند کیا گیا۔ پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح گاڑے گئے ہیں اور زمین کو کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔

علمِ شریعت کا ہونا:

تقویٰ کا تعلق چونکہ شریعت سے ہے اس لئے ہر متقی اور پرہیز گار شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت کا مکمل علم رکھتا ہو یا اگر زیادہ نہیں تو کم از کم جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا علم رکھنا تو از حد ضروری ہے۔

تقویٰ کا بلند ترین مقام عرفان رب ہے جسے فقر سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے حضرت باہو علیہ الرحمۃ اس کے بارے میں فرماتے ہیں،

علموں باجھ جو کرے فقیری
کافر مرے دیوانہ ہو

خداوند کریم امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہزار ہا ان فریب کاروں سے بچائے جو طریقت کو شریعت سے الگ کر کے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے،

اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست (ڈاکٹر محمد اقبال)

اتباع رسول ﷺ کے علاوہ جو بھی طریقہ ہے خواہ وہ کتنا ہی دلکش کیوں نہ ہو نفس کی کرشمہ سازی کے سوا کچھ نہیں۔

خوفِ خدا:

''تقویٰ'' پیدا کرنے کے لئے خوفِ خدا کا ہونا بھی اشد ضروری ہے لیکن خوف کو اتنا نہ بڑھایا جائے کہ امید ختم ہی ہو کر رہ جائے ایک حدیث کے مطابق ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک مشہور قول ہے کہ

''اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان کیا جائے کہ جنت میں صرف ایک ہی شخص داخل کیا جائے گا تو میں کہوں گا کہ وہ شخص میں ہی ہوں لیکن اگر یہ اعلان کیا جائے کہ دوزخ میں صرف ایک ہی آدمی داخل ہوگا تو مجھے اندیشہ ہوگا کہ وہ آدمی کہیں میں ہی نہ ہوں۔''

خوفِ خدا کے لئے آخرت، موت اور قبر کی فکر ضروری ہے۔ ایک شخص کو میں نے دیکھا

کہ مرغ ذبح کرتے ہوئے رو رہا تھا اور ساتھ ہی یہ کہہ رہا تھا کہ بے زبان اور غیر مکلف چیز مرتے ہوئے اگر اتنی تکلیف میں مبتلا ہے تو گناہ گار انسانوں کیا حال ہوگا۔

سرکار دو عالم ﷺ کے بارے میں ایک روایت ہے کہ جب آسمان پر بادل چھا جاتے تو آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا اور آپ خوفِ خدا سے کبھی گھر سے باہر آتے اور کبھی اندر جاتے۔ جب بارش ختم ہو جاتی تو آپ مسرور ہو جاتے۔

فطرتِ انسانی میں یہ بات داخل ہے جب اسے کسی بات کا خوف ہو تو عمل کی قوت اس میں تیز سے تیز تر ہو جاتی ہے البتہ خوف کی نوعیتیں بدلتی رہتی ہیں۔

اسلام بھی اپنے ماننے والوں کو ایک غائب ہستی کی باز پرس سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس خوف کا اثر یہ ہے کہ کسی پولیس یا محتسب کی غیر موجودگی میں بھی انسان ایسا کام کرنے سے رک جاتا ہے جس سے اس کے رب کی نافرمانی ہوتی ہو اور خلق خدا کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

خوفِ آخرت:

ایک حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ کو ان آنسوؤں سے پیار ہے جو خوفِ الٰہی سے جاری ہوتے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف، باب الجہاد)[1]

ایک بزرگ نے ایک روتے ہوئے لڑکے سے رونے کا سبب دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رو رہا ہوں۔ انہوں نے پوچھا، خوف کا سبب کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ کتابِ حکیم میں ارشادِ رب العزت ہے،

﴿ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ﴾ [البقرة:۲/۲۴]

ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن (گناہگار) لوگ اور پتھر ہیں۔

میں سوچتا ہوں کہ جب میری ماں آگ جلاتی ہے تو چولہے میں بُری لکڑیوں کو آگ لگانے کے لئے نیچے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں رکھتی ہے تا کہ آسانی سے آگ روشن ہو جائے۔ اگر

[1] یہ حدیث جامع ترمذی اور مشکاۃ المصابیح میں بھی ذکر کی گئی ہے۔

خداوند کریم نے بھی جہنم میں بڑے بڑے نافرمانوں کو آگ میں ڈالا تو مجھ جیسے چھوٹے چھوٹے گناہگاروں کو بھی کہیں آگ میں نہ ڈال دیا جائے۔

مولانا رومی کا ایک شعر ہے،

ہر کجا آب رواں غنچہ بود
ہر کجا اشک رواں رحمت بود

جہاں پانی چلتا ہے وہاں باغات ہوتے ہیں اور جہاں آنسو جاری ہوں وہاں خدا کی رحمت ہوتی ہے۔

حضرت صدیق اکبر ؓ فرمایا کرتے تھے کہ خوف الٰہی سے رویا کرو، اگر رونا نہ آئے تو رونے والی شکل ہی بنالیا کرو۔

خوف خدا کے بارے میں قرآن حکیم میں رب ذوالکمال ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے۔

﴿ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِۦ وَنَهَى ٱلنَّفْسَ عَنِ ٱلْهَوَىٰ ﴿٤٠﴾ فَإِنَّ ٱلْجَنَّةَ هِيَ ٱلْمَأْوَىٰ ﴿٤١﴾ ﴾ [النازعات: ۷۹/۴۰-۴۱]

اور جس نے اپنے رب کے سامنے حاضری کا خوف رکھا اور اپنے آپ کو خواہشات سے باز رکھا، بے شک اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

دعاء:

اسلامی اور روحانی زندگی میں طلب اور جستجو کا ایک خاص مقام ہے ہدایت اور گمراہی ہر دو من جانب اللہ ہی ہوتے ہیں مرد مومن کو چاہیے کہ وہ ہر وقت خدا کی چوکھٹ پر پڑا رہے۔ اس سے سوال کرتا رہے، اسی داتا کی عطا سے زنگ آلود دل پاک ہوتے ہیں مخلوق کو خالق کا قرب مقصود حاصل ہوتا ہے۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ عبادت سے ''تقویٰ'' کی تشکیل ہوتی ہے اور دعا کے بارے میں رؤف رحیم آقا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

الدعا هو العبادة (رواه ابوداؤد)[1]

''دعا ہی عبادت ہے''۔

ایک حدیث کا مضمون یہ بھی ہے کہ

''دعا عبادت کا مغز ہے''۔[2]

آقا کے ان دو اقوال سے پتہ چلا کہ دعا میں اگر عجز و نیازمندی شامل ہو اور دعا گو ریا و نمود سے اجتناب کرکے رب ذوالجلال کو پکارے تو اس کی تاثیر عبادت عامہ سے زیادہ ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ تشکیل تقویٰ کے لئے صدق طلب کا ہونا ضروری ہے رشد و ہدایت کے نور کے حصول کے لئے خود بھی دعا کرنی چاہئے اور اللہ کے نیک بندوں سے بھی دعا کروانی چاہئے اس لئے کہ یہ حقیقت ہے کہ......

نگاہ ولی میں یہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

استقامت:

استقامت سے مراد لزوم طاعت ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ خداوند تعالیٰ کی رضا کے مطابق اپنے سارے اُمور کا نظام درست رکھنا استقامت کہلاتا ہے۔ ایمان کے بعد استقامت کی اہمیت کا اندازہ مخبر صادق ﷺ کی اس حدیث سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بار آپ سے یہ پوچھا گیا کہ کوئی ایسا عمل بتائیں کہ کسی اور سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے، آقا و مولا نے ارشاد فرمایا،

قُلْ: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ [3]

کہو کہ میں ایمان لایا اللہ پر پھر استقامت اختیار کر۔

1 یہ حدیث جامع ترمذی میں بھی نقل کی گئی ہے۔

2 اس حدیث کو بھی امام ترمذی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

3 یہ حدیث صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ، مسند امام احمد اور مشکاۃ المصابیح میں نقل کی گئی ہے جبکہ امام ترمذی نے اپنی سنن میں دوسرے لفظوں سے روایت کیا ہے۔

صوفیاء کا مسلک ہے کہ استقامت اور استقلال کرامت سے بھی زیادہ اہم شئ ہے۔

اہل ایمان کے اسی وصف کو قرآن مجید نے ایک مقام پر یوں بیان فرمایا،

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ قَالُواْ رَبُّنَا ٱللَّهُ ثُمَّ ٱسْتَقَٰمُواْ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٣﴾ ﴾ [الاحقاف: ١٣/٤٦]

بے شک جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ثابت قدم رہے نہ ان پر خوف نہ ان کو غم۔

استقامت کا آسان تر مفہوم ثابت قدمی کا ہے۔ تقویٰ کا تعلق چونکہ اجتناب معاصی اور حلیت اوامر سے ہے۔ اس لئے حصولِ علم کے بعد تقویٰ کے ثمرات دیکھنے کے لئے صبر اور ثبات کا ہونا اشد ضروری ہے۔

باب سوم

تقویٰ کے تقاضے

شرک سے اجتناب:

تقویٰ کا اولین تقاضا یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے سے اجتناب کیا جائے۔ کیونکہ انبیاء کا پہلا درس ہی توحید کا اثبات اور شرک کی نفی ہے۔

شرک کے بارے میں قرآنی رویئے کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے

۱) شرک نا قابل معافی جرم ہے۔ [النساء: ٤٨/٤]

۲) شرک کرنے سے پہلے کے تمام اعمال ختم ہوجاتے ہیں۔ [الانعام: ٨٩/٦]

۳) شرک سے آدمی بزدل ہوتا ہے اور مشرک کا انجام جہنم ہے۔ [ال عمران: ١٥١/٣]

۴) شرک جہالت ہے۔ [الاعراف: ١٣٨/٧]

۵) شرک ظلم عظیم ہے۔ [لقمان: ١٣/٣١]

۶) مشرک خواہشات نفس کے غلام ہوتے ہیں۔ [النجم: ٢٣/٥٣]

۷) بدترین مخلوق مشرک ہے۔ [البینہ: ٦/٩٨]

نظامِ عبادات کا قیام:

اصلاح عقائد کے بعد عملی زندگی کے میدان میں جس چیز کی اولین ضرورت ہے وہ نظامِ عبادات کا قیام ہے۔ تقویٰ کے تقاضوں کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ تخلیق انسانیت کی علت معلوم کی جائے اور وہ یہ ہے کہ،

﴿وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾﴾ [الزاریات: ٥٦/٥١]

ہم نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر عبادت کے لئے۔

عبادت کا مفہوم نہایت وسیع ہے اس میں ہر وہ چیز آجاتی ہے جس کے کرنے اور باز

آ جانے سے رضائے رب کا پروانہ ملتا ہو لیکن نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اسلامی نظام عبادت کی بنیادیں ہیں۔ ان میں سے بھی نماز کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ روزِ محشر اوّلین پرسش اسی کی بارے میں ہوگی۔

روزِ محشر کہ جان گداز بود
اوّلین پرسش نماز بود

ذکرِ الٰہی میں مشغولیت:

اللہ کا ذکر دلوں کو صاف کرتا ہے۔ بداعمالیوں اور بدعقیدگیوں سے نجات دلاتا ہے۔ بے حیائی اور فحاشی سے منع کرتا ہے۔ انسانی کردار کو نکھارتا ہے، مزاج میں اعتدال پیدا کرتا ہے، سیرت میں حسن لاتا ہے، طبیعت کو استغناء بخشتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کثرتِ ذکر سے انسان قربِ الٰہی کی منزلوں کا راہی بن جاتا ہے۔

ذکر اللہ کے بارے میں قرآن کا ارشاد سنئے،

﴿ وَلَذِكْرُ ٱللَّهِ أَكْبَرُ ﴾ [العنکبوت: ۲۹/۴۵]

اللہ کا ذکر بہت بڑی شئے ہے۔

ذکر کیا ہے؟ ہر وقت اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کی غلامی میں لگائے رکھنا، تصور میں اس حاکم مطلق کو یاد کرنا، احکام الٰہی پر کاربند رہنا، قرآنی تعلیمات کا پرچار کرنا، یہ سبھی ذکر اللہ کی اقسام ہیں۔

حاکمیت خداوندی پر اگر مکمل یقین نہ ہو اور ہر فعل میں رضائے الٰہی کا جوہر شامل نہ ہو تو مقصود عبادت اور مدعائے زیست پورا نہیں ہوتا۔

فکرِ آخرت:

ہمیشہ انجام پر نگاہ رکھنے والے لوگ ہی ہر میدان میں کامیابیوں سے ہمکنار ہوتے ہیں انسان کا انجام فنا نہیں بلکہ فنا کے بعد ایسی بقا ہے جس میں دنیا میں کئے جانے والے ہر عمل کے

بارے میں بازپرس ہوگی۔

نگہ دار فرصت کہ عالم دے است
دمِ پیش عالم بہ از عالمے است

آخرت کی فکر کر کے اپنے اعمال و افعال کا محاسبہ کرنا بھی تقویٰ کا تقاضا قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے،

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾ ﴾

[الحشر: ۵۹/۱۸]

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص دیکھے کہ اس نے کل کے لئے آگے کیا بھیجا ہے۔ اللہ سے ڈرو، وہ یقیناً تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

اس آیہ کریمہ میں آخرت کی زندگی کو ''کل'' سے تعبیر کیا گیا ہے گویا دنیا کی پوری زندگی ''آج'' ہے۔ خوش بخت ہیں وہ لوگ جو کل کی فکر میں اپنی چند روزہ زندگی کو اعمال صالحہ سے مزین کر رہے ہیں۔

اصلاحِ معاشرہ:

کون نہیں جانتا کہ انفرادی زندگی کے اثرات اجتماعی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔ تقویٰ جس کا تعلق اگرچہ مجموعی طور پر فرد ہی سے ہے لیکن اجتماعی اصلاح بھی اسی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے جب کہ اسلامی معاشرے سے متعلق ہر شخص متقی ہو۔

تقویٰ اگر ایک طرف انفرادی کردار کی تعمیر کرتا ہے تو دوسری طرف اجتماعی کردار کی تشکیل یعنی اصلاح معاشرہ کی راہیں بھی ہموار کرتا ہے۔ دنیا میں جتنی اخوت اور مروت مسلمانوں کے درمیان پائی جاتی ہے کسی اور نظام کے پیرو کاروں میں نہیں پائی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''اصلاح بین المسلمین'' (مسلمانوں کی اصلاح) کو تقویٰ کا تقاضا قرار دیا ہے۔

﴿ إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُواْ بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٠﴾ ﴾ [الحجرات: ١٠/٤٩]

مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔پس اپنے بھائیوں میں اصلاح کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

تقویٰ کے اس تقاضے یعنی مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی درستگی کی اہمیت حضور ﷺ کے اس ارشاد سے بھی واضح ہوتی ہے کہ

حضرت نعمان ابن بشیر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو مومنوں کو باہمی رحم دلی، محبت اور ارتباط میں ایک بدن کی مثال دیکھے گا کہ جسم کا اگر ایک عضو کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو سارا جسم بخار اور بے خوابی کا شکار ہو جاتا ہے''۔[1]

اس قسم کا ایک اور مضمون حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے وہ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو چھوڑتا ہے اور نہ ہی اس کی تحقیر کرتا ہے، ''تقویٰ یہی ہے'' سینے کی طرف تین مرتبہ اشارہ فرمایا، مزید ارشاد فرمایا، انسان کے لئے یہی شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلم بھائی کی تحقیر کرے ہر مسلمان کی جان، مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے''۔[2]

اتحادِ ملت:

کسی قوم کی سب سے بڑی خوش قسمتی اور سعادت یہ ہوتی ہے کہ اس کا صفوں میں مکمل اتفاق واتحاد ہو۔افتراق وانتشار سے اسے نفرت ہو۔

یہی وہ نعمت عظمیٰ ہے جس سے قومی زندگی کو بقا حاصل ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے ملی عزت اور وقار پائندہ وتابندہ رہتے ہیں۔بخلاف اس کے تشتت وافتراق سے حیات ملی خطرے میں پڑ جاتی ہے اور قومیں تباہی کے گڑھے میں گر جاتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے ایک

1. یہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند امام احمد اور مشکاۃ المصابیح میں ذکر کی گئی ہے۔
2. اس حدیث کو صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند امام احمد اور مشکاۃ المصابیح میں روایت کیا گیا ہے۔

مقام پر جہاں تقویٰ کا ذکر کیا ساتھ ہی اتحاد باہمی کا ذکر کرتے ہوئے اس کے فوائد سے آگاہ فرمایا اور بے اتفاقی کو جہنم کا گڑھا قرار دیا۔

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَٱعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ ٱللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُواْ ۚ وَٱذْكُرُواْ نِعْمَتَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَآءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِۦٓ إِخْوَٰنًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ ٱلنَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمْ ءَايَـٰتِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾ ﴾ [ال عمران: ١٠٢/٣-١٠٣]

اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔اور نہ مرو مگر مسلمان ہو کر۔اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ کرو۔اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت پیدا کی اور تم اس کے احسان سے بھائی بھائی ہو گئے تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے۔پس اس نے اس سے بچالیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہاری ہدایت کے لئے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے۔

ہر وہ قوم اپنے مقصد حیات سے منحرف ہو کر اصولوں کو ترک کر کے جزئیات وفروعات میں الجھنے کی کوشش کرتی ہے اس کے ہاں بگاڑ کا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے۔اور جب کوئی ملت تفرقہ کا شکار ہو جائے تو اس کی اصلاح وتعمیر کا ہر امکان معدوم ہو جاتا ہے۔

مسلمان کئی بار اس الہامی اصول کے نتائج وعواقب دیکھ چکے ہیں۔چودہ سو سال کی تاریخ میں کئی بار ایسے ہوا کہ لوگ باہمی عداوتوں کا شکار ہوئے۔رائے کا اختلاف سے بڑھتے بڑھتے پہلے مکتب خیال بنے پھر فرقے بنے اور پھر اللہ کی انتقامی کارروائی کے شکار ہوئے۔آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس عرصہ میں کسی کو بندر نہیں بنایا گیا۔آسمان سے کوئی چنگھاڑ یا چیخ نازل نہیں ہوئی، پتھروں کی بارش نہیں کی گئی۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمانوں کے بارے میں یہ قانون

فطرت بدل گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ کی دائمی شفقت اور رحمت ہے جس کے زیر سایہ مسلمانوں پر اس قسم کا عذاب نازل نہیں ہوسکتا ورنہ کسی نہ کسی صورت میں ان کو بھی جھنجھوڑا گیا۔

غلبہ، استیلا، خلافت اور تمکن فی الارض کی نعمتیں ان سے چھینی گئیں۔ غلامی کے عذاب میں انہیں گرفتار کیا گیا اور آج بھی کتنے ہی مسلمان عملی طور پر یا نظریاتی اور تہذیبی لحاظ سے غلامی کی سسکیاں بھر رہے ہیں۔ کیا اس سے بڑا عذاب بھی کوئی اور ہوسکتا ہے؟ دنیا میں غلامی سے بڑھ کر بھی کوئی ذلت اور رسوائی ہوسکتی ہے۔

تفرقہ اور اختلاف کے جرمِ عظیم پر ذرا خالق کائنات کی ناراضگی کا اندازہ کیجئے۔

﴿ وَإِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱتَّقُونِ ﴿٥٢﴾ فَتَقَطَّعُوٓا۟ أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٥٣﴾ فَذَرْهُمْ فِى غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٥٤﴾ ﴾

[المؤمنون: ۲۳/ ۵۲-۵۴]

یہ تمہارا دین تو ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس تقویٰ اختیار کیجئے وہ جنہوں نے دین میں مختلف طریقے بنالئے ہر ایک اپنے ہی طریقے پر خوش ہے۔ پس (اے نبی) چھوڑ دیجئے ان کو ایک مدت تک غفلت ہی میں پڑے رہیں۔

مسلمانانِ عالم کی فوز وفلاح، کامیابی و کامرانی، عزت و وقار، حیات و بقا اسی میں ہے کہ وہ ایک رہیں۔ فروعی اختلافات کو ترک کرکے ایک دوسرے کی طرف رفاقت کا ہاتھ بڑھائیں۔

تقویٰ جو اسلامی کردار کا نام ہے۔ اس کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمان حسب ونسب کے امتیاز مٹا کر وحدت کی لڑی میں پروئے جائیں۔

اور یاد رکھیئے کہ اگر مسلمانوں نے اس عظیم جرم سے خلاصی حاصل کرلی تو ان کی عظمت و اقتدار کے ترانے ارض وسماء پر گونجیں گے۔

شعائر اللہ کی تعظیم:

قرآن حکیم میں ارشاد رب العزت ہے،

﴿ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَٰٓئِرَ ٱللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى ٱلْقُلُوبِ ﴿٣٢﴾ ﴾

[الحج: ۲۲/ ۳۲]

اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔

شعائر میں ہر وہ چیز شامل ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات خود مقرر کردے یا اس کے انبیاء مقرر کریں یا اس کی نسبت اللہ کے کسی صالح بندے سے ہوجائے۔ اس سے تبرکات بزرگان دین سے محبت اور ان کے احترام کا سبق بھی ملتا ہے۔ اس لئے کہ محبت مطلق کسی شئ سے نہیں ہوتی بلکہ اس لئے کہ اس کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ اللہ کی ذات کے ساتھ ہوتا ہے۔

مثلاً حجر اسود کو بوسہ دیا جاتا ہے اس لئے نہیں کہ وہ پتھر ہے بلکہ اس لئے کہ اس کا تعلق اور نسبت اللہ کے ساتھ ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے بوسہ دیتے رہے۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر وارد ہوا ہے،

﴿ إِنَّ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ ٱللَّهِ ﴾ [البقرة: ۲/ ۱۵۸]

بے شک صفا اور مروہ شعائر اللہ سے ہیں۔

ان پہاڑوں کا شعائر ہونا بھی اولیاء و انبیاء سے نسبت ہی کی وجہ سے ہے۔

احترامِ رسول ﷺ:

ایک آدمی تقویٰ کا ہر تقاضا پورا کرتا ہے لیکن احترام رسول کے جذبات سے اگر اس کا سینہ خالی ہے تو وہ عند اللہ ماجور نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے تمام اعمال ختم کردیے جاتے ہیں اخروی کامیابی کا اصل راز یہ ہے کہ دل کو محبت محمدی ﷺ کے جذبات سے سرشار رکھے۔ محبت محبوب کے ہر فعل کے احیاء کے لئے قربانی چاہتی ہے آج کے حالات ہم سے تقاضا کرتے ہیں کہ ہم تحریک مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے رکن بن کر احکام الٰہی کے نفاذ کے لئے کوشش کریں اور زندگی کے ہر

میدان میں ضابطۂ خداوندی سے رہنمائی حاصل کریں۔

وہ لوگ جو بظاہر کلمہ گو ہیں لیکن ان کے دل محبت رسول اور احترام نبی کے جذبات سے عاری ہیں۔ ان سے بصد ادب و احترام گزارش ہے کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ علمی ذوق پورا کرتے کرتے ایمان سے بھی ہاتھ دھونے پڑ جائیں،

﴿لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾[الحجرات: ۱/۴۹]

اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔

احترام کیلئے عندالرسول اپنی آوازوں کو پست رکھنے والوں کے متعلق فرمایا،

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٣﴾ ﴾

[الحجرات: ۳/۴۹]

بلاشبہ وہ لوگ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بات کرتے ہوئے اپنی آواز کو دھیما رکھتے ہیں اصل میں وہی لوگ ہیں جن کے دل اللہ نے تقویٰ کے لئے چن لئے ہیں ایسے لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ تقویٰ کی جان اور پرہیزگاری کی روح محبت رسول اور احترام نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس سے ایک یہ مسئلہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اپنے شیخ اور استاد کا احترام کرنا اور ان کے سامنے مؤدبانہ گفتگو کرنا بھی تقویٰ کا ایک تقاضا ہے۔

قیامِ عدل:

اسلام ایک عالمگیر تحریک کا نام ہے جس کا مقصود و منشور عالم انسانیت میں نیکی کا نظام قائم کرنا ہے اس مقصد کے حصول کے لئے یہ تحریک اپنے ہر رکن سے ایک مخصوص کیریکٹر کا تقاضا کرتی ہے جسے تقویٰ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تقویٰ جہاں انفرادی اور اجتماعی تعمیر و تطہیر کا نام ہے، وہاں اس کا ایک گہرا ربط تحریک

اسلام کے منشور سے بھی ہے مثلاً قرآن مجید نے جہاں عادات و اطوار اور رسوم و طرق کی اصلاح کو تقویٰ قرار دیا۔ اسلام کے منشور و مقصود تک رسائی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنا بھی تقویٰ کا تقاضا قرار دیا۔

تعمیر کی ضد تخریب ہے جب تک کوئی قوم قوانین فطرت کی پابند رہتی ہے اس کی رگوں میں تعمیری خون گردش کرتا رہتا ہے۔ گویا کہ بناؤ قانون عدل کی پابندی میں ہے اور بگاڑ اس صراطِ مستقیم سے ہٹ جانے کا نام ہے۔

مسلمان چونکہ خیر و بھلائی کا نظام دنیا میں رائج کرنا چاہتا ہے انسانیت کو بناؤ کا سبق دینا چاہتا ہے تخریبی جراثیم کا خاتمہ اس کا مدعا ہے غرض کہ مسلمان کا یہی کریکٹر تقویٰ اسے قیامِ عدم کے لئے تیار کرتا ہے۔

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ ﴾ [المائدۃ: ۸/۵]

اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی عدم عدل پر نہ اُکسائے، عدل کیجئے اور اللہ سے ڈریئے اور یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ بلاشبہ وہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔

عدل کے لئے اردو زبان میں لفظ ''انصاف'' استعمال ہوتا ہے اگرچہ معانی اور مطالب کے لحاظ سے ''انصاف'' میں وہ زور نہیں جو ''عدل'' میں ہے۔ اگر عدل کا معنیٰ ''توازن'' کیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ عالم رنگ و بو میں پروردگار کے تمام تر امور عدالت ہی کے ساتھ قائم ہیں یعنی عدل ہی وہ قانون ہے جو قیام ہستی کے لئے ضروری ہے۔ اس مقام پر دائرہ عدل وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے۔ معاملات، مقدمات، نظام شمسی سیاروں کی حرکت موسمی تغیر و تبدل اور تخلیق انسانیت و تکوین اشیائے عالم تک ہر ایک ہی تعادل و توازن کی مختلف مثالیں ہیں۔

ظلم ہو یا سرکشی، اسراف ہو یا تبذیر، فساد ہو یا اعتداءِ نظامِ عدل سے ہٹی ہوئی یہی وہ صورتیں ہیں جن کے عاملین کو قرآن نے کبھی تو شیطان کا بھائی کہہ کر پکارا اور کبھی اس سے ملتی جلتی

کوئی اور اصطلاح استعمال کی۔

قرآن نے حقیقت عدل کے رموز سے آگاہی کے لئے اکثر مقامات پر غور وفکر کی دعوت بھی دی اور توازن اور تعادل کو مقصود ٹھہرایا اور صاف صاف کہہ دیا کہ جب تم بغیر ستونوں کے اٹھائے ہوئے آسمان کو دیکھتے ہو۔ جب تم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہو کہ جو سے جو اور گندم سے گندم ہی پیدا ہوتی ہے تو پھر روزمرہ میں عدل سے انحراف کیوں؟

﴿ اَعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى ﴾ [المائدۃ: ۸/۵]

عدل کرو عدل ہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، مسائل سیاسی ہوں یا معاشی ہماری کامیابی کا راز اسلام کے نظامِ عدل ہی میں ہے اس لئے کہ یہ نہ تو حواسِ خمسہ کی تخلیق ہے اور نہ ہی وجدان کی پیداوار بلکہ منزل من اللہ ہونے کی حیثیت سے یہی وہ ضابطۂ حکمت ہے جسے اپنانے سے انسانیت عروج کے زینے طے کرتی ہے۔

اگر آج ہماری عدالتوں میں اسلام جو دینِ فطرت ہے اس کا قانونِ عدل لاگو اور قابل عمل نہیں تو کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہمارے قانون دانوں کے نزدیک وہ قانون اس قابل نہیں کہ ان کے مسائل حل کر سکے۔ اگر ایسے نہیں تو نفاذ میں اتنی تاخیر کا مطلب کیا ہے؟

برصغیر پاک وہند میں انگریز نے ایک گہری سازش کی کہ مسلمانوں میں کچھ آدمی ایسے تیار کیے جنہوں نے قوم وملت میں یہ تبلیغ شروع کر دی کہ دین صرف چند عبادات کا نام ہے حالانکہ اسلام ضابطہ حیات کائنات ہے جو زندگی کے ہر گوشہ میں رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ع جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

وفا شعارانِ اسلام:

اگر آپ امن وسکون چاہتے ہیں، اگر آپ کی خواہش زندگی کی راحت وآرام ہے، تو اس کا ایک ہی راستہ ہے۔ اسلام کے نظامِ عدل کی طرف لپکیں اور اس طرح تمہاری دعوت سے

اہل جہاں جو جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں اور اپنی شیطانیوں اور غفلت شعاریوں سے معاشرہ کو جہنم زار بنا دیا ہے اسلام کے انقلابی منشور سے آگاہی حاصل کریں۔

رسوم محض سے اجتناب:

کون نہیں جانتا کہ آج ہمارے معاشرے میں محض تقلیدی بنیادوں پر بہت سی ایسی رسوم کا آغاز ہو چکا ہے جو قیامِ دین کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ روایتی عظمتوں کی پرستش کی جاتی ہے پہلے ایک عقیدہ گھڑا جاتا ہے پھر اس کی پرستش متواتر سے اس میں شان تقدیس پیدا کی جاتی ہے اور بعض ایسی رسمیں ہیں جن میں سوائے ضیاعِ دولت کے اور کچھ نہیں ملتا۔ قرآن مجید ان سب باتوں کی تردید کرتا ہے بلکہ ان کے ترک کرنے کو تقویٰ کا تقاضا قرار دیتا ہے۔

عربوں کا دستور تھا کہ جب وہ احرام باندھ لیتے اور گھروں میں آنے کی ضرورت پڑتی تو دروازوں سے داخل نہ ہوتے بلکہ پچھلی دیواروں سے سوراخ کر کے داخل ہوتے۔ چونکہ یہ رسم محض تھی، اس لئے قرآن نے اسے ایک لایعنی حرکت قرار دیتے ہوئے اس کے ترک کرنے کو تقویٰ کا تقاضا قرار دیا، ارشاد ربی ہے۔

﴿ وَلَيۡسَ الۡبِرُّ بِاَنۡ تَاۡتُوا الۡبُيُوۡتَ مِنۡ ظُهُوۡرِهَا وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاۡتُوا الۡبُيُوۡتَ مِنۡ اَبۡوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۸۹﴾ ﴾ [البقرۃ: ۱۸۹/۲]

اور یہ نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں پچھلی طرف سے داخل ہو بلکہ نیکی تو تقویٰ اختیار کرنا ہی ہے گھروں میں دروازوں کی طرف سے آیا کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ فلاح پاؤ۔

ہمارے ہاں بچوں کی پیدائش پر، شادیوں کے رچانے میں اور ماتم کے موقع پر بعض نہیں بلکہ بے شمار ایسی رسمیں منائی جاتی ہیں جن کا تعلق اصل میں یا تو ہندوؤں سے ہے یا انگریزوں سے۔ قرآنی تعلیمات کو دیکھ کر ہمیں عبرت حاصل کرنی چاہئے اور ان مذموم رسوم واطوار کو غیرت مذہبی کو کام میں لاتے ہوئے صرف خود ہی ترک نہیں کرنا چاہئے بلکہ دوسرے حضرات جن کی

سرشت میں ایسی عادات داخل ہیں انہیں بھی مجبور کیا جائے کہ تقلید غیر سے باز رہیں اور شیطان کو خوش نہ کریں۔

البتہ بعض دیہاتوں میں بعض لوگوں کو دینی اصولوں کا پابند رکھ کر نہایت مسرت محسوس ہوتی ہے اور ان کے جذبۂ دین کو داد دینا پڑتی ہے۔ فی الحقیقت اسلام ایک سادہ اور قابل عمل دین ہے۔ یہ عین فطرت کے مطابق ہے۔ اسے کسی رسم کے پیوند کی ضرورت نہیں۔ رسوم پرست لوگ خود بھی ان سے تنگ ہیں۔ لیکن ان کے ضمیر کی آواز جب جذبہ پیائش کی نذر ہو جاتی ہے تو وہ ہر وہ کام کرتے ہیں جو ان کا من اجازت دیتا ہے۔

غیر اقوام کی تقلید سے بیزاری:

مسلمان کسی قوم یا ملک کا نام نہیں۔ بلکہ یہ اللہ کی وہ جماعت ہے جس کا منشور نیکی کو غالب کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس کا اپنا ایک پروگرام ہے اس کے پاس زندگی گزارنے کے اپنے اصول ہیں۔ ہر وہ آدمی جو اس کے اصولوں کو کسی بھی میدان میں ٹھکراتا ہے، تو اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ وہ اس کے پروگرام سے متفق نہیں۔ اس کو وہ اصول اچھے نہیں لگتے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کئے تھے۔

تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ ان اصولوں کو نہ اپنایا جائے جو اسلام سے ٹکر کھاتے ہیں۔ ان باتوں پر کان نہ دھرے جائیں جو غیر اقوام ''نظامِ مصطفیٰ'' کو ختم کرنے کے لئے کرتی ہیں۔ غیر قوموں کی تقلیدی زنجیریں اپنے پاؤں میں نہ ڈالی جائیں اور غلامی سے اپنی گردنوں کو بچایا جائے۔

اگر ایک آدمی دین کو سیاسی لحاظ سے تھائیو کریسی یعنی پاپائیت کا نام بھی دے۔ مسجد کو بھولے سے بھی نہ آئے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا مذاق بھی اُڑائے اور پھر اپنے آپ کو ایک مسلمان سمجھے اور اپنی حرکات کو قابل نجات خیال کرے تو یہ مسئلہ ناقابل فہم ہے۔[1]

[1] جیسا کہ بعض مسلمانوں کا حال ہے کہ کبھی داڑھی جو کہ سنت رسول ﷺ ہے، پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں ہمیں داڑھی والا اسلام نہیں چاہئے کبھی قرآن وحدث کی صراحتوں کو اور اسلاف کے قول وعمل کو یکسر ٹھکراتے ہوئے پردے کے خلاف زبان درازی کرتے ہیں اور کبھی علماء دین کیلئے تحقیر آمیز کلمات (بقیہ اگلے صفحہ پر)

نجات اگر ہے تو صرف اس میں کہ اتھارٹی صرف اللہ اور اس کے رسول کی مانی جائے۔ ہمارا قرآن جب ہر اس معاملہ میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ جس میں ہماری بہتری ہے، تو پھر اس نظام کے مقابلہ میں ہمارے دل فسانے کیوں تراشتے ہیں؟ ہماری جبینیں شیطانوں کے سامنے کیوں جھکتی ہیں؟ ہمارے ہاتھ خود ہی آذری کا شیوہ کیوں اختیار کرتے ہیں۔

افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات
تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

آج بھلائی کی بھیک کے لئے ہم کشکول لئے کافروں اور منافقوں کے دروازوں پر پھرتے ہیں آج ہماری اطاعت کا معیار لادین عناصر کی خوشامد بن چکا ہے۔

ارشاد رب العزت ہے،

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ ٱتَّقِ ٱللَّهَ وَلَا تُطِعِ ٱلْكَـٰفِرِينَ وَٱلْمُنَـٰفِقِينَ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝١ ﴾ [الاحزاب: ١/٣٣]

اے نبی! اللہ سے ڈرو اور نہ اطاعت کرو کافروں اور منافقوں کی تحقیق اللہ علم وحکمت والا ہے۔

اس آیت میں جاہلیت کی رسوم پر ضرب کاری لگائی گئی ہے اور منافقین اور کفار کی اطاعت سے منع فرمایا گیا ہے۔

استعمال کرتے ہیں اور کبھی قرآن کے بعض قوانین کو ظلم بتاتے ہیں یہ محض اس لئے ہے کہ اللہ ورسول پر ان کا ایمان پختہ نہیں۔ ڈاکٹر یا طبیب کہہ دے کہ یہ چیز تمہارے لئے مضر ہے تو اس پر یقین کرتے ہوئے فوراً اسے ترک کر دیتے ہیں، جب کہ اللہ ورسول ہمارے لئے جن افعال واقوال کو مضر بتائیں تو یقین نہیں کرتے، حالانکہ کامیاب زندگی کے لئے قرآن کریم نے جگہ جگہ واضح طور پر رسول اللہ ﷺ کی پیروی کو لازمی قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عقل سلیم عطا فرمائے۔ عطاء اللہ نعیمی

اللہ کرے ہم انگریز کی اطاعت سے خلاصی حاصل کرلیں ورنہ معاش ہو یا معیشت، سماج ہو یا سیاست، فوج ہو یا کوئی اور ادارہ ہمارا ہر فعل غیر اقوام کی تقلید میں ہے۔

وعدے کی پابندی:

وعدے کی نوعیت نجی ہو یا کاروباری، عہد اللہ سے کیا جائے یا مخلوق سے، بہر صورت اس کی پابندی کرنا تقویٰ کے تقاضوں میں سے ہے۔

قرآن نے ایک جگہ یہود کے بارے میں ان کی عہد شکنی کی بدولت ہی کہا

﴿ ٱلَّذِينَ عَـٰهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِى كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾ ﴾ [الانفال: ۸/۵٦]

وہ لوگ جن سے تو نے عہد کیا، ہر مرتبہ اس کو توڑتے ہیں اور خدا سے ڈرتے نہیں۔

سورۃ توبہ میں ایک مقام پر حضور ﷺ کو مشرکین سے بھی وعدہ پورا کرنے کو کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے،

﴿ فَأَتِمُّوٓا۟ إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُتَّقِينَ ﴿٤﴾ ﴾ [التوبہ: ۹/۴]

ان سے وعدوں کی مدت کے مطابق پورا کرو بے شک اللہ متقین سے محبت کرتا ہے۔

سورۂ مائدہ میں ارشاد ربانی ہے،

اے مومنو! اپنے بندھے ہوئے وعدوں کو پورا کرو۔

ایک مقام پر آتا ہے،

﴿ إِنَّ ٱلْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔولًا ﴿٣٤﴾ ﴾ [الإسراء: ۱۷/۳۴]

یعنی وعدے کے بارے میں پرسش ہوگی۔

حضور سرور عالم ﷺ نے ہمیشہ وعدے کی پابندی کی اور ساتھ ہی اپنے پیرکاروں کو ایفائے عہد کی تلقین کرتے رہے۔ آپ کی مشہور و معروف حدیث ہے کہ.....

" لَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ "

اس کا دین نہیں جس کا عہد نہیں

ایک موقع پر جب حضور ﷺ اسلامی لشکر کے ساتھ بدر میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ قلت تعداد کی وجہ سے ایک ایک آدمی کی ضرورت پڑ رہی تھی۔ دو صحابی حضرت حذیفہ اور حضرت حسیل جنہوں نے مشرکین سے عدم شرکت کا وعدہ کر لیا تھا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری داستان سنائی تو آپ نے ان کو مدینہ بھیج دیا اور فرمایا ہم وعدے کی پابندی کریں گے۔

عہد کو پورا کرنا بھی تقویٰ کے لوازمات میں سے ہے اور متقین کا شعار ہے۔

وعدہ کرتے ہوئے اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ کیا جانے والا وعدہ کہیں اسلامی شریعت کی روح کے خلاف نہ ہو بلکہ زبان سے ہی ایسے الفاظ نہیں نکالنے چاہئیں۔ جن پر عمل کرنا ممکن نہ ہو۔ اسلام نے اس بات سے بھی منع کیا ہے۔ ایسی باتیں نہ کیا کرو جو تم نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ یہ اللہ کے ہاں بڑے غصّے کی (بڑی غضب ناک) بات ہے۔

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿٢﴾ ﴾
[الصف: ٦١/٢]

اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو، جو تم کرتے نہیں (واللہ اعلم بالصواب)

اصول تعاون:

اسلام کا مقصد نیکی اور بھلائی کو برائیوں پر غالب کرنا ہے اس لئے یہ اپنے ہر ماننے والے کو اس بات پر اُکساتا ہے کہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا جائے۔

قرآن مجید نے اس سلسلہ میں ایک زرّین اصول قائم کیا ہے

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿٢﴾ ﴾ [المائدہ: ۲]

نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں باہم ہاتھ نہ بٹاؤ، اللہ سے

ڈرو بے شک اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی انقلابی گروہ کی کامیابی یا ناکامیابی کا دارومدار، تعاون اور عدم تعاون پر ہی ہوتا ہے۔ اگر نیک کام میں تعاون نہ کیا جائے تو جن مقاصد کے لئے کوئی تحریک چلائی جاتی ہے۔ ان کا پورا ہونا کافی حد تک ناممکن ہوتا ہے۔ مسلمان جن کی زندگی کے منشور میں ہی یہ بات شامل ہے کہ دنیا سے فاسد نظام کو ختم کیا جائے اور نظام مصطفیٰ کو رائج کر کے پستی ہوئی انسانت کو نجات دلائی جائے اگر ان کے کچھ افراد ان باتوں میں مدد کرنی شروع کر دیں جن سے باطل کے اصولوں کو تقویت پہنچتی ہو تو نظام حق کے لئے چلائی گئی تحریک کو نقصان ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرے کے ہر فرد پر یہ قید لگادی ہے کہ مدد کے ہاتھ صرف نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں اٹھنے چاہئیں اگر کوئی شخص اثم اور عدوان کو پھیلانے کی سعی میں مصروف ہوتا ہے تو اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔

رائے یا ووٹ ایک مسلمان کے پاس اللہ کی طرف سے دی گئی ایک مقدس امانت ہے۔ اس کا صحیح استعمال ﴿ تَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلۡبِرِّ وَٱلتَّقۡوَىٰ ﴾[1] میں شامل ہے اور اس کا غلط استعمال ﴿ تَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلۡإِثۡمِ ﴾[2] کے ضمن میں آتا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے حق رائے کو کسی باطل نظام کی تائید میں استعمال کرتا ہے تو وہ ﴿ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلۡعِقَابِ ﴾[3] کے زمرے میں آتا ہے۔

یاد رہے کہ اسلام کے مقابلہ میں ہر اختراعی نظام باطل ہے خواہ وہ جمہوریت ہو یا سوشلزم، کمیونزم ہو یا لادینیت۔ زندگی کے کسی شعبہ میں اسلام کسی پیوند کا محتاج نہیں بلکہ اگر کوئی شخص جمہوریت یا سوشلزم کا پیوند لگاتا ہے تو حقیقت میں وہ اپنے باطل نظریات پر اسلام کا لیبل لگا

---

1. یعنی، نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون۔
2. یعنی، گناہ میں باہم ہاتھ بٹانا۔
3. بے شک اللہ کا عذاب بہت سخت ہے مطلب یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دیتا ہے۔ عطاء اللہ نعیمی

کر مسلمانوں کی آنکھوں پر ہاتھ رکھتا ہے[1]۔ سؤر کی گردن پر اگر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھری پھیر دی جائے تو وہ کبھی حلال نہیں ہوتا۔

غیبت سے بچنا:

حضرت ابو ہریرہ ﷜ حضور سرکار دو عالم ﷺ سے حدیث نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا، کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے لوگوں نے کہا کہ اللہ اور رسول بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا تمہارا اپنے بھائی کو اس طرح یاد کرنا جو اسے ناگوار گزرے، آپ سے کہا گیا کہ اگر وہ بات اس میں موجود ہو تو آپ نے جواب دیا، اگر وہ اس میں موجود ہو تو تم نے غیبت کی، اگر نہیں تو تم نے بہتان باندھا[2]۔

حدیث مذکور کو ذہن میں رکھتے ہوئے غیبت کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ کسی مسلمان کی غیرِ حاضری میں اس کی کوئی ایسی بات کرنا جو اسے ناگوار گزرے وہ غیبت کہلاتی ہے وہ بُرائی جو بیان کی گئی ہو برابر ہے کہ اس میں موجود ہو یا نہ ہو۔

قرآن مجید نے غیبت کی مذمت کی اور اس سے بچنے کو تقویٰ کا تقاضا قرار دیا۔

﴿وَلَا يَغۡتَب بَّعۡضُكُم بَعۡضًاۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمۡ أَن يَأۡكُلَ لَحۡمَ أَخِيهِ مَيۡتًا فَكَرِهۡتُمُوهُۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۚ إِنَّ ٱللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾ ﴾

[الحجرات: ١٢/٤٩]

---

1. حقیقت تو یہ ہے کہ ایسا شخص اسلام کے عالمگیر ہونے، اس کے کامل ہونے اور اس کے حق ہونے پر ایمان نہیں رکھتا پھر وہ نام کا مسلمان تو ہوسکتا ہے مگر مسلمان نہیں ہوسکتا۔ کونسا قانون ہے جو اسلام میں نہیں؟...... کونسا مسئلہ ہے جس کا اسلام میں حل نہیں جس کے لئے ہم غیروں کی طرف محتاج ہوں؟...... اسلامی نظام کو چھوڑ کر اختراعی نظام، اسلامی قوانین پس پشت ڈال کر خود ساختہ قوانین کی طرف رغبت اسلام سے کھلم کھلا بغاوت نہیں تو پھر کیا ہے۔ عطاء اللہ نعیمی
2. اس حدیث کو صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، جامع ترمذی، سنن دارمی، مؤطا امام مالک، مسند امام احمد اور مشکاۃ المصابیح میں ذکر کیا گیا ہے۔

تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی ایک یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ یقیناً تمہیں یہ ناپسند ہے۔ ڈرو اللہ سے اللہ تعالیٰ تو بہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر بھی غیبت کی مذمت کی ایک دفعہ اسی صورت میں کی۔ جب کہ ماعز بن مالک اسلمی کو زنا کے جرم میں رجم کی سزا دی گئی تو دو صحابیوں نے ان پر تنقید کی۔ حضور ﷺ نے سن لیا، کچھ دور راستے میں آپ کی نظر ایک مردہ گدھے پر پڑی۔ آپ نے ان صحابیوں کو بلایا اور فرمایا کہ اس کو کھانا شروع کرو۔ انہوں نے جواب دیا، ''اسے کون کھائے'' آپ نے ان سے کہا کہ، ابھی جو تم اپنے مردہ بھائی پر حرف زنی کر رہے تھے وہ اس کے کھانے سے زیادہ بُری تھی۔

بدکاری سے اجتناب:

بیماریوں کے جراثیم کو مارنا عین مصلحت ہوتا ہے۔ قومِ لوط کی اخلاقی پستی جب حد کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو صفحۂ ہستی سے ہی مٹا دیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر فرشتوں کو نہایت خوبصورت لڑکوں کی صورت میں بھیجا گیا، قومِ لوط خوشیاں مناتی ہوئی آئی، اور حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کو گھیر لیا، وہ کیا جانتے تھے کہ خوبصورتی کے روپ میں ان کی تباہی کا سامان مہیا کیا گیا ہے۔ کتنی ہی بدنصیب قوم تھی کہ اپنی بربادی پر قہقہے لگا کر وقت کے نبی سے قیل و قال کر رہی تھی۔

خدا کی کارسازیاں بھی عجیب ہیں، چاہے تو یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینک کر...... گھر سے بے گھر کر کے...... بازارِ مصر میں بیچ کر...... زنداں کی سختیاں دے کر...... اس کے عروج کے زینے طے کروائے، اور چاہے تو قوم لوط کے سامنے حسن رچا کر ان سے قہقہے لگوا کر واصل جہنم کر دے۔

جب لوط علیہ السلام کی قوم نے آپ سے مطالبہ کیا کہ وہ ان لڑکوں کو ان کے حوالے کر دیں تو لوط علیہ السلام نے بڑے مؤثر انداز میں قوم کو تقویٰ کی تلقین کی فرمایا،

﴿ قَالَ إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِى فَلَا تَفْضَحُونِ (٦٨) وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ

وَلَا تُخْزُونِ (٦٩) ﴾ [الحجر: ١٥/٦٨-٦٩]

لوط علیہ السلام نے فرمایا بے شک یہ میرے مہمان ہیں پس تم میری فضیحت نہ کرو، اللہ سے ڈرو، اور مجھے رسوا نہ کرو۔

جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے اپنے نبی کی دعوت کو نہ سنا، تو وہی لڑکے ان کے عذاب کا باعث بنے اور قوم لوط کو ایک چنگھاڑ نے لے لیا۔ اس طرح عذاب الٰہی کا وعدہ پورا ہوا۔

قومِ لوط کو عذاب میں گرفتار کرنے کی وجہ یہی تھی کہ وہ بدکاری اور بدفعلی کے اڈے جما کر فحاشی، عریانیت، زناکاری اور لواطت کا درس دیتے تھے۔ ان کے اس قومی نوعیت کے جرم پر رب العزت نے انہیں زمین میں دھنسا دیا۔

ہلاکت قوم لوط سے ہمیں عبرت حاصل کرنی چاہئے اور بدکاری اور اس کے مقدمات سے مکمل اجتناب برتنا چاہئے۔

اساسِ عمل:

اعمال اور مختلف افعال کا حسن انسان کے باطنی ارادے اور حسن نیت کا مرہون منت ہوتا ہے بظاہر کوئی کام کتنا ہی حسین اور دلکش کیوں نہ ہو، جب تک ارادہ اور نیت صحیح اور درست نہ ہو وہ کام نامقبول ہوگا۔ اس اعتبار سے تمام نیکیوں اور سارے امور کی بنیاد چونکہ حسن نیت اور خلوص پر ہے۔ اس لئے قرآن حکیم اسے ''تقویٰ'' قرار دے کر سارے اعمال کی اساس قرار دیتا ہے اور ہر وہ کام جس کی بنیاد ''تقویٰ'' پر نہ ہو اسے قابل مذمت سمجھتا ہے۔ ان امور کو مضبوط اور مستحکم کرنے کا حکم صادر فرماتا ہے ''جس کی بنیاد تقویٰ پر ہو''۔

ہمارے اس مؤقف کو مسجد ضرار کا واقعہ قوت دیتا ہے ارشاد رب ذوالجلال ہے،

﴿ أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَٰنَهُۥ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ ٱللَّهِ وَرِضْوَٰنٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَٰنَهُۥ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ ﴾ [التوبة: ٩/١٠٩]

کیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد تقویٰ اور اللہ کی رضا پر رکھی وہ اچھا ہے یا وہ شخص

جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گر جانے والی کھائی کے کنارے رکھی۔

اور اس مسجد کو عبادت کے لئے حقدار قرار دیا جس کی بنیاد تقویٰ پر ہو۔

﴿ لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى ٱلتَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ ﴾ [التوبة: ١٠٨/٩]

وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی وہی مستحق ہے کہ آپ اس میں جائیں۔

اسی طرح سارے امور کی جان اللہ تعالیٰ نے تقویٰ قرار دیا، سفر زادِ راہ کا مسئلہ ہو تو ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

﴿ وَتَزَوَّدُوا۟ فَإِنَّ خَيْرَ ٱلزَّادِ ٱلتَّقْوَىٰ ﴾ [البقرة: ٩٧/٢]

سفر میں زادِ راہ لو اور سب سے اچھا توشہ "تقویٰ" ہے۔

جسم کی زیب و زینت کی بات ہو تو پھر "تقویٰ" ہی ملحوظِ نظر و عمل رکھنے کی تلقین فرمائی۔

﴿ وَلِبَاسُ ٱلتَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ﴾ [الاعراف: ٢٦/٧]

اور تقویٰ ہی کا لباس سب سے بہتر ہے۔

عفو و درگزر:

خداوند کریم نے عفو و درگزر کو "تقویٰ" کے نہایت ہی قریب قرار دیا۔

﴿ وَأَن تَعْفُوٓا۟ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ﴾ [البقرة: ٢٣٧/٢]

اگر تم معاف کردو تو یہ "تقویٰ" سے قریب تر ہے۔

ایک اور آیت میں قصور کرنے والوں کو معاف کردینے کا اشارہ اس طرح فرمایا،

﴿ وَلْيَعْفُوا۟ وَلْيَصْفَحُوٓا۟ ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ ٱللَّهُ لَكُمْ ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ [النور: ٢٢/٢٤]

چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ خدا تم کو معاف کردے، اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔

غصہ اور غضب کے وقت ضبط و سکون کے حاملین اور معاف کردینے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

﴿ وَإِذَا مَا غَضِبُوا۟ هُمْ يَغْفِرُونَ ﴾ [الشوریٰ: ٣٧/٤٢]

اور جس وقت غصہ آئے تو وہ معاف کرتے ہیں۔

وہ لوگ جو عفو و درگزر کو اپنا شعار بناتے ہیں اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران آیت (۱) میں ان کی مغفرت اور ان کے لئے وسیع جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

سورۂ شوریٰ میں صبر اور معاف کردینے کی صفت کو بڑی اہمیت کی بات قرار دیا گیا۔

﴿ وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ ﴾ [الشوریٰ: ٤٣/٤٢]

جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو یہ بڑی ہمت کی بات ہے۔

عفو و درگزر کی فضیلت میں ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَا زَادَ اللّٰہُ رَجُلاً بِعَفْوٍ اِلَّا عِزاً[1]

درگزر کرنے والے کی اللہ تعالیٰ عزت بڑھا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں محسنین کی جن صفات کے ساتھ تعریف کی ان میں معاف اور درگزر کرنے کی صفت کو بھی گنا۔

﴿ وَٱلْكَـٰظِمِينَ ٱلْغَيْظَ وَٱلْعَافِينَ عَنِ ٱلنَّاسِ ۗ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴾ [آل عمران: ١٣٤/٣]

غصے کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے، اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا،

[1] اس حدیث کو صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن دارمی، موطا امام مالک، مسند امام احمد اور مشکاۃ المصابیح میں ذکر کیا گیا ہے۔

یارسول اللہ ﷺ! میں اپنے خادم کا قصور کتنا معاف کروں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہر روز ستر بار۔

حضرت ابو سعود صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے غلام کو پیٹ رہا تھا پیچھے سے آواز آئی، جان لو، جان لو، دیکھا تو حضور نبی کریم ﷺ ارشاد فرمارہے تھے، ابو سعود، جتنا تم خادم پر قابو رکھتے ہو اس سے زیادہ خدا تم پر قابو رکھتا ہے، ابو سعود فرماتے ہیں کہ اس بات کا مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ پھر میں نے کسی غلام کو نہ مارا۔

سچائی:

قرآن حکیم نے صدق اور سچائی کو بھی متقی کی صفات میں گنا۔

﴿ وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴾ [الزمر: ۳۳/۳۹]

جو سچ لے کر آیا اور اس کو سچا بھی جانا سو وہی پرہیزگار ہے۔

صدق اور سچائی کو جہاں خدائی صفت ہونے کا شرف حاصل ہے وہاں انسانی اخلاق کے میدان میں بھی اسے سب سے اعلیٰ اور اونچا مقام حاصل ہے، صدق چونکہ دل اور زبان کی ہم آہنگی کا نام ہے، اسلئے اگر سچائی اور صداقت حاصل ہو جائے تو نیکیوں کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔

اعمال اور اخلاق کی بنیاد سچائی ہے، اسی لئے اسلام نے صرف ''صدق'' اختیار کرنے کا حکم ہی نہیں دیا بلکہ ہمیشہ سچوں کے ساتھ رہنے کا مسلمانوں کو پابند بناتے ہوئے اس کو تقویٰ کا ایک تقاضا قرار دیا ہے۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴾

[التوبہ: ۱۱۹/۹]

اے اہل ایمان! تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

قیامت کے دن بھی صدق ہی کام آئے گا۔

﴿ هَٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ ﴾ [المائدہ: ۱۱۹/۵]

یہ ایسا دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ ہی کام دے گا۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں ''صدق'' کی چھ اقسام بیان کی ہیں۔

۱) زبان کی سچائی
۲) نیت کی سچائی
۳) عزم کی سچائی
۴) عزم کو تکمیل تک پہنچانے کی سچائی
۵) عمل میں سچائی
۶) امور دینیہ میں سچائی۔

صدق کی برکت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ روایت ملاحظہ ہو جس میں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تھی کہ مجھ میں چار بری خصلتیں ہیں، یارسول اللہ! ایک کو چھوڑ دینے کی تلقین فرمائیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا، جھوٹ بولنا چھوڑ دو، تو اللہ تعالیٰ نے ترک جھوٹ اور سچائی اختیار کرنے کی وجہ سے اسے ساری بری خصلتوں سے محفوظ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ سچ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

احسان:

تقویٰ کا تعلق چونکہ شخصی اور اجتماعی حسن اور جمال کے ساتھ ہے، ظاہری اور باطنی ہر قسم کی خوبیاں تقویٰ میں داخل ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم ان تمام اوصاف شخصی و اجتماعی اور افعال خیر کے لئے ایک جامع اصطلاح ''احسان'' استعمال کر کے اسے تقویٰ کا تقاضا قرار دیتا ہے۔

﴿ وَإِن تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴾ [النساء: ۱۲۸/۴]

اگر تم نیکی کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔

ہر قسم کی نیکی خواہ وہ بصورت فعل و عمل ہو یا تصور و عقیدۂ احسان کے مفہوم میں داخل ہے لیکن قرآن حکیم میں شکر، مصیبت سے نجات دلانا، حقوق کی ادائیگی، صدقات اور قرض حسنہ وغیرہ کو احسان قرار دیا گیا، رسول اللہ ﷺ نے رحم و کرم، مہمان نوازی، تنگ دست کو مہلت، گردنوں کے چھڑانے، صلہ رحمی، اچھی گفتگو، ضعیف کی مدد، بھوکے کو کھلانا، پیاسے کو پانی پلانا اور ایذا رسانی سے اجتناب کرنے کو ''احسان'' قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ نے محسن کے بارے میں ارشاد فرمایا،

﴿ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٣٤﴾ ﴾ [ال عمران: ۳/۱۳۴]

اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت جبرئیل امین نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا، اَخْبِرْنِی عَنِ الْاِحْسَانِ یارسول اللہ ﷺ! احسان کے بارے میں ہمیں خبردار کیجئے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا،

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (مشکوٰۃ، کتاب الایمان)[1]

تو اللہ کی عبادت ایسے کرے جیسے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے، یا اگر تو اسے نہیں بھی دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

یہاں پر محدثین نے احسان سے مراد ''اخلاص'' لیا چونکہ تصوف کی حقیقت بھی یہی ''اخلاص'' ہے جو بدرجہ اتم سالک کو حاصل ہو جاتی ہے، اس اعتبار سے بعض متصوفین نے تصوف کا ماخذ احسان قرار دیا، حدیث شریف میں احسان کے مفہوم کو اسلام اور ایمان سے الگ قرار دیا گیا، جس کو اگر اسلام سے علیحدہ قرار نہ بھی دیا جا سکتا ہو، تاہم پھر بھی کم از کم مسلمان کی عرفانی زندگی پر ضرور دلالت ہے۔

---

[1] اس حدیث کو صحیح مسلم، سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ میں روایت کیا گیا ہے۔

صبر:

سفینۂ حیات کو موت کے ساحل تک پہنچنے کے لئے متعدد آبناؤں سے گزرنا پڑتا ہے، کبھی تو حسین تمنائیں اور فرحت بخش امیدیں اس کا استقبال کرتی ہیں اور کبھی غم و آلام اور کرب و مصائب کے وجود پاش تھپیڑے اس کو اپنے نرغے میں لے لیتے ہیں۔ حالات کے بیکراں سمندر میں کبھی تو طرب و نشاط کی موجیں اسے بلندیوں پر اُٹھا لیتی ہیں اور کبھی پریشان اور اضطراب کے وحشت ناک بھنور میں جا پھینکتی ہیں۔

حالات کے نوعا نوعی اور ہیجان انگیز انقلابات کے تنوع اور اختلافات پر کیا کسی شخص کو دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا چاہئے؟ کیا مصائب پر آہ و فغاں اور ماتم و نوحہ کے علاوہ بھی کوئی راستہ ہے؟

ہاں وہ لوگ جنہیں قرطاسِ حیات پر واضح نقوش ثبت کرنے ہوں، ان کیلئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت مقاصد زندگی کی تکمیل کی خاطر جان کاری، دیدہ ریزی اور محنت و مشقت کے ساتھ ساتھ نتائج کے انتظار میں صبر و ثبات اور استقامت و استقلال کا دامن تھامے رکھیں۔

تقویٰ جو مسلمان کے اس کردار کا نام ہے جس سے اس کی شخصیت میں حسن، توازن، سنجیدگی، متانت اور وقار پیدا رہتا ہے۔ مصائب و آلام کے وقت صبر اور مصابرہ بھی اس کا ایک تقاضا ہے۔

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱصْبِرُوا۟ وَصَابِرُوا۟ وَرَابِطُوا۟ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٠٠﴾ ﴾ [ال عمران: ۳/۲۰۰]

اے ایمان والو! صبر کرو، اور ثابت قدم رہو، خدمت حق کے لئے آمادہ رہو اور تقویٰ اختیار کرو تا کہ تمہاری فلاح ہو۔

صبر کا معنی کیا ہے، علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں،

''تنگی اور شدت کے وقت روکنے کو صبر کہتے ہیں''۔

عرب کہتے ہیں ''صبرت الدابہ'' میں نے بغیر چارہ کے جانور کو روک لیا۔ جانشین

بنا لینے کے معنوں میں بھی یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے اصطلاحاً نیک اعمال کرنے اور برے اعمال سے باز رہنے پر نفس کو پابند رکھنا صبر کہلاتا ہے۔

مصابرہ کا مفہوم صبر سے تھوڑا مختلف واقع ہوا ہے عام طور پر اس کا مطلب دشمن کے مقابلہ میں پامردی دکھانا لیا جاتا ہے، باطل کے خلاف ایک دوسرے سے بڑھ کر کمربستگی کا مظاہرہ کرنا بھی مصابرہ کے مفہوم میں داخل ہوسکتا ہے۔

تیاریٔ جہاد:

مسلمان خالق کائنات کی طرف سے وہ انقلابی جماعت ہے جو ہردم خدمت انسانیت کے لئے کمربستہ رہتی ہے جہاں بھی اور جس وقت بھی کوئی ابلیسی اور سرکش قوت، ''فساد'' کے لئے اپنا دام ہمرنگ زمین بچھاتی ہے ان کی خدائی صفوں میں حرکت آجاتی ہے، ایک ایک مسلمان لذت حیات سے بے آشنا ہوکر موت سے پیار کرنے لگ جاتا ہے۔

ظاہر ہے باطل اور طاغوت کو درس عبرت دینے کے لئے طاقت اور قوت کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہی وہ ہے کہ قرآن حکیم جہاں مسلمانوں کو فلاح انسانیت کے لئے دیگر صلاحیتیں بروئے کار لانے کا پابند کرتا ہے، وہاں ﴿ أَعِدُّواْ لَهُم مَّا ٱسۡتَطَعۡتُم ﴾[1] کے تحت دشمن کے مقابلہ میں ہر طرح کی مادی تیاری کا بھی حکم دیتا ہے۔

''تقویٰ'' جو کردار مومن کا دوسرا نام ہے، اپنے حامل میں یہ فکر اور سوچ بھی اجاگر کرتا ہے کہ غلبہ اسلام کے لئے مسلمان کو ہردم دشمن کے مقابلہ میں تیار اور کمربستہ رہنا چاہئے۔

ارشاد رب ذوالجلال ہے،

﴿ وَرَابِطُواْ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ﴿٢٠٠﴾ ﴾

[ال عمران: ۳/۲۰۰]

خدمت حق کے لئے آمادہ اور تیار رہو اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ تمہاری فلاح ہو۔

۱۔ [الانفال: ۸/۶۰] یعنی، ان کے لئے تیار رکھو جو تمہیں بن پڑے۔

ربط اور رباط کا لغوی معنیٰ تو گھوڑے کو حفاظت کے لئے کسی جگہ مضبوطی سے باندھ دینا ہوتا ہے اور اس سے ''رباط الجیش'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے اصلاحی طور پر اپنے آپ کو غلبہ دین کے لئے آمادہ، عبادت کا پابند اور دشمن کے مقابلے میں کمربستہ رہنے کو رباط کہتے ہیں صاحب مفردات نے ''رباط'' کے مفہوم کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قول نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لئے تیار رہنا بھی 'رباط' ہے۔

''رباط'' کا اعلیٰ مقام اور مرتبہ یہی ہے کہ انسان ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے لئے ہر وقت تیار رہے۔

حرمت سود:

معاشی بدحالی معاشرتی بیماریوں پیدا کرتی ہے۔ غربت اور افلاس، صبر اور استقامت کی دولت کے بغیر اخلاقی بیماریوں کی بنیاد بن جاتے ہیں، اخلاقی اقدار کے مٹ جانے کی وجہ سے تعمیر و ترقی کے میدان میں جمود طاری ہوجاتا ہے۔ اسلام ایک مکمل معاشی نظام کی حیثیت سے ایسی تمام بنیادی کمزوریوں کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے جن سے جسد ملت کی صحت بگڑ جانے کا اندیشہ ہو۔

سود جس کے لئے عربی زبان میں لفظ ''ربا'' استعمال ہوتا ہے۔ اسلام کی نظر میں ایک مذموم حرکت اور قبیح بیماری ہے جس کا ارتکاب کرنے والوں کے حق میں قرآن حکیم کی یہ وعید ہے۔

﴿ وَٱتَّقُواْ ٱلنَّارَ ٱلَّتِيٓ أُعِدَّتۡ لِلۡكَٰفِرِينَ ﴿١٣١﴾ ﴾ [ال عمران: ۳/۱۳۱]

اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

امام ابوحنیفہ ؒ اس آیت کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ ڈرانے والی آیت یہی ہے اس لئے کہ اس آیت میں آگ کی وعید ان لوگوں کے لئے جو کافر تو نہیں لیکن اللہ کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیزیں حلال جانتے ہیں۔

احکام الٰہی سے بے رغبتی اور بے اعتنائی برتنا چونکہ ''تقویٰ'' کے منافی ہے اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ شیدائیان اسلام کے لئے یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ وہ سود جیسی قبیح حرکت سے

بچیں، فرمانِ خداوندی ہے،

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوا۟ ٱلرِّبَوٰٓا۟ أَضْعَـٰفًا مُّضَـٰعَفَةً ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾﴾ [آل عمران: ۳/۱۳۰]

اے ایمان والو! سود بڑھا بڑھا کر نہ کھاؤ، اللہ سے ڈرو تا کہ تمہاری فلاح ہو۔

نوٹ علمائے کرام نے آیت کا ترجمہ مختلف طریقوں سے کیا ہے، ترجمہ دوگنا سے کیا جائے؟ خوب بڑھانے سے کیا جائے بہر صورت ہر قسم کے سود کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

دعاء:

اے پروردگار! میں دل کی گہرائیوں سے تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھے توفیق بخشی کہ ''تقویٰ'' کے موضوع پر کچھ لکھنے کے قابل ہوا، میں اس امید کے ساتھ دامن قرطاس کو سمیٹتا ہوں کہ تو پھر بھی اسے چمنستان دین سے گل چینی کی توفیق عطا فرماتا رہے گا۔

الٰہ العالمین! تو چاہے تو ریت سے ستون کا کام لے لے اور چاہے تو جاہل کو فیض علم کا سرچشمہ بنا دے، دنیا کا نظام تیری نگاہِ عنایت ہی سے چل رہا ہے۔

اے میرے اللہ! زمین پر بسنے والی انسانیت تیرے مقصودی نظام سے دور ہو رہی ہے اسے قرآن کے قریب کر دے (آمین یا ربنا الکریم)۔

پیغام اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

پیارے بھائیو! تم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑیں ہو بھیڑیئے تمہارے چاروں طرف ہیں یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکا دیں تمہیں فتنے میں ڈال دیں تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں ان سیبچو اور دور بھاگو دیوبندی ہوئے ،رافضی ہوئے ،نیچری ہوئے ،قادیانی ہوئے ،چکڑالوی ہوئے ،غرض کتنے ہی فتنے ہوئے اور ان سب سے نئے گاندھوی ہوئے جنہوں نے ان سب کو اپنے اندر لے لیا یہ سب بھیڑیئے ہیں تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں ان کے حملوں سے اپنا ایمان بچاؤ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ،رب العزت جل جلالہ کے نور ہیں حضور سے صحابہ روشن ہوئے ،ان سے تابعین روشن ہوئے ،تابعین سے تبع تابعین روشن ہوئے ،ان سے ائمہ مجتہدین روشن ہوئے ان سے ہم روشن ہوئے اب ہم تم سے کہتے ہیں یہ نور ہم سے لے لو ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ تم ہم سے روشن ہو وہ نور یہ ہے کہ اللہ و رسول کی سچی محبت ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت جس سے خدا اور رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ جس کو بارگاہِ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو، اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔

(وصایا شریف ص ۱۳ از مولانا حسنین رضا)